الدُّعاء

محمد تاثیر

نبی اکرمؐ کے ارشادات "الدّعاء مخ العبادۃ" اور "الدّعاء ھو العبادۃ" نہ صرف یہ کہ دعا کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں بلکہ دعا اور عبادت کی تعریفوں کو متعین کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ہم لغوی اور اصطلاحی اعتبارات سے عبادت اور دعا کی تعریفوں اور ان کے باہمی ربط پر نظر ڈالیں تو عبادت ا‌‌ے، عبودۃ اور عبدیتہ سے ہے جس کے معنی خضوع اور تذلّل کے ہیں گویا تابع اور رام ہو جانا۔ لسان العرب میں "العبد" کے معنی "المملوک خلاف الحر" کے ہیں --- گویا عبادت وہ غلامی ہے جس میں پرستش اور عقیدت بھی شامل ہو۔ اگر ہم دنیا میں عبادت کی عمومی ظاہری شکلوں کو دیکھیں گے تو بھی قیام، دست بستگی اور رکوع بندگی (غلامی) کی علامات ہیں اور سجدہ، طواف، قربانی وغیرہ پرستش اور والہانہ پن کی غماز --- یہ علامات اصل میں عبادت کی ظاہری شکل ہیں جو نفس کے تابع فرمان اور معتقد ہونے کی نشانی ہے۔اصل عبادت تو عبادت کا باطن ہے جسے بالعموم اخلاص سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے اثرات کے تحت انسان کی ساری زندگی بندگی و پرستش میں بسر ہوتی ہے۔

دعا کے لغوی معنی پکار کے ہیں، چاہے محض ایک پکار ہو یا حاجت روائی کے لیے سوال کی صورت میں ہو --- اصطلاحی اعتبار سے تو دعا، مانگنے کے معنوں ہی میں مستعمل ہے مگر مذہبی طور پر ہر وہ پکار جس میں بندہ اپنے رب سے براہِ راست ہمکلام ہوتا ہے، دعا کہلاتی ہے --- اس پکار کی وجوہات پر غور کیا جائے تو درحقیقت دعا بندے کا رب کے ساتھ براہِ راست رابطہ، اس کے موجود ہونے پر یقین کا اظہار، اس کی قدرت پر ایمان اور اپنے تابع اور مملوک ہونے کی علامت ہے اور یہی چیز روح عبادت ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے عبادت کی تعریف یوں کی ہے : ۲۔

ہر وہ چیز عبادت ہے جس کا حکم انبیاء (شرع شریف) نے دیا ہے۔ ان سے جو کچھ مطلوب ہے وہ انسان میں چار خصلتوں کی پرورش ہے '

۱۔ طہارت (باطنی و ظاہری)

۲۔ خضوع (دل کی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ)

۳۔ سماحت (دل کا بد خصلتوں کی بجائے نیک خصلتوں کی طرف مائل ہونا)

۴۔ عدالت (قیامِ دین ' حدود وغیرہ)

اگر ہم دعا کے اثرات کو دیکھیں تو اوّل الذکر دو خصائل تو بلاواسطہ دعا سے پیدا ہوتے ہیں اور باقی دو بالواسطہ دعا کا نتیجہ ہیں' خصوصاً احادیث میں دعا کی قبولیت کی شرائط میں باطنی پاکیزگی ' رزقِ حلال اور خضوع و خشوع کو بیان کیا گیا ہے۔

دعا اور عبادت کا یہی قریبی تعلق ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے دعا سے اعراض کو عبادت سے اعراض اور تکبر سے تعبیر کیا ہے اور اس کی سزا جہنم بیان کی ہے '

اُدْعُوْنِیٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ۳۔

(مجھ سے مانگو' میں دعا قبول کروں گا۔ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔)

قدیم صحائف ' مذہبی تواریخ اور آثارِ قدیمہ کے کتبوں کے محقق اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انسان کا ابتدائی مذہب توحید تھا اور اس کی اوّلین عبادات دعا اور قربانی تھیں۔ اس زمین پر انسانی زندگی کے ابتدائی دور میں جب مظاہرِ فطرت اس کے لیے خطرہ اور تکلیف کی علامت تھے' انسان نے اپنی بقاء' اپنی اولاد کی سلامتی ' دشمنوں کے مقابلے میں دفاع اور رزق کے حصول کے لیے اپنے رب کے سامنے دستِ سوال دراز کیا۔ گو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فطری سادگی میں کمی آتی گئی اور انسان نے شرک کی ابتدا کی مگر دعا تب بھی اس کی عبادت کا بنیادی جزو رہی۔

مصریوں ' بابلیوں ' اشوریوں کے قدیم کتبوں میں دعائیہ جملے ملتے ہیں۔ ہندوؤں کی ویدیں اس دور کا تحریری سرمایہ ہیں جب آریائی قومیں ۱۵۰۰ ق م میں ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں۔ یہاں کے مقامی باشندوں سے انہیں جنگیں لڑنا پڑیں تو اپنی فتح اور دشمن کی بربادی کے لیے وہ دیوتاؤں کے سامنے دست بدعا نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ویدوں کا بیشتر حصہ دعاؤں پر مشتمل ہے'

"اے اندر ہم کو بڑھنے والی شوکت عطا فرما۔ ہم کو وہ قہر اور طاقت عطا فرما جو قوموں کو مغلوب کرے... ہم کو دولت اور خوراک ' شریف اولاد کے ساتھ عطا فرما" ۔[۴]

"اے اندر تو کہ اپنی طاقت کے لیے مشہور ہے' مضبوط ہے ' زبردست لڑنے والا ہے شہ زورو خونخوار ہے' ہر ایک کو زیر کرنے والا ہے "۔[۵]

بدھ مذہب گو ایسا مذہب ہے جس میں خدا کی ذات کا تصور ابتدائی طور پر موجود نہیں تھا۔ مگر جب گوتم بدھ کو نروان حاصل ہوا تو درخت النش کے نیچے بیٹھ کر بدھ نے جو فقرہ کہا وہ دعائیہ ہی ہے'

"اے کالبد خاکی کے بنانے والے جب تک میں نے تجھے نہ پایا مجھے بہت سی حیات الممات سے گزرنا پڑا... مگر اب میں نے تجھے دیکھ لیا ہے" ۔[۶]

انبیاء کی جو تعلیمات ہمیں قرآن پاک کے حوالے سے ملتی ہیں حضرت آدمؑ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر نبی ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بدعا نظر آتا ہے۔ انبیاء کی تعلیمات میں سے جو کتابیں آج دنیا میں موجود ہیں وہ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید میں شامل کتب ہیں۔

توریت بنیادی طور پر قانون اور شریعت کے متعلقہ احکامات پر مشتمل ہے۔ آج ہمیں توریت میں روحانیت اور عبادت کے باطن کے حوالے سے بہت کم مواد ملتا ہے۔ اس لیے دعائیہ کلمات ان کتبِ خمسہ میں کم ہی ملتے ہیں تاہم بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ سے انسان کا براہِ راست کلام ملتا ہے جو ایک دعائیہ انداز ہے'

"اے خداوند تیرا دہنا ہاتھ قدرت کے سبب سے جلالی ہے... تو اپنی عظمت کے زور پر مخالفوں کو تہ وبالا کرتا ہے "۔[۷]

بنی اسرائیل کے ہاں ظاہر پرستی اور قانون کی سختی کی جو لہر آئی 'بعد کے انبیاء نے اس کی اصلاح کی کوشش کی۔ لہٰذا عہدنامۂ قدیم کی دوسری کتب میں عبادت کے باطن کا ذکر بھی ملتا ہے اور دعائیہ کلمات بھی 'زبور تو قریباً تمام تر دعا ہے' اللہ کے بندے داؤدؑ کی پکار اور اللہ تعالیٰ کی یاد' جس میں بعض جگہ حاجت رَوائی کے لیے سوال کی صورت بھی ملتی ہے۔

حضرت داؤدؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک تصورِ باطن اور دعا کا ارتقاء عہدنامۂ قدیم میں واضح طور پر نظر آتا ہے ۔ کتابِ نوحہ میں ایک بڑی عمدہ دعا درج ہے جس کا ابتدائی فقرہ فلسفۂ دعا کو سمجھنے میں بڑا اہم ہے:

"ہم اپنے ہاتھوں کے ساتھ دلوں کو بھی خدا کے حضور دعا کے لیے اٹھائیں۔ اے خدا میں نے تہِ زنداں تیرے نام کی دہائی دی، تو نے میری آواز سنی، میری آہ و فریاد سے اپنے کان بند نہ کر۔ اے خداوند تو نے میری مظلومی دیکھی، میرا انصاف کر۔ اے خداوند ان کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے"۔۸

حضرت مسیحؑ کی بعثت کا تو مقصد ہی یہود کو ان کی تنگ نظری، ظاہر پرستی اور اسباب پرستی سے نکال کر روحانیت کی راہ پر لانا تھا تاکہ اس امت میں توازن پیدا ہو۔ لہٰذا عہدنامۂ جدید اور مذہبِ عیسائیت میں دعا کی بڑی اہمیت نظر آتی ہے۔ پہاڑی کے وعظ کی دعا تو عیسائی مذہب کے ماننے والوں کی روزانہ کی عبادت ہے،

"اے باپ تو جو آسمانوں پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسے آسمانوں پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی پوری ہو"۹۔

حضرت عیسیٰؑ کے اقوال میں بھی ہمیں دعا کی بڑی تلقین ملتی ہے۔ آپؑ کا فرمان ہے،

"پس میں تم سے کہتا ہوں مانگو، تمہیں دیا جائے گا۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ، تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ تم میں سے کون ایسا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے اور وہ اسے پتھر دے یا مچھلی مانگے تو اسے سانپ دے"۔۱۰

حضرت عیسیٰؑ کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ کلیسوں کے نام خط میں پولس نے لکھا،

" دعا میں مشغول رہو اور شکر گزاروں کے ساتھ اس میں بیدار رہو"۔۱۱

عیسائیت میں یہاں سے اجتماعی دعا کا تصور پیدا ہونا شروع ہوا اور ہمہ وقت دعا مانگتے رہنا عبادت اور قابلِ تعریف قرار پایا۔ کتابِ اعمال میں ایک شخص کرنیلیس کی تعریف یوں درج ہے،

"وہ بہت خیرات دیتا تھا اور ہر وقت دعا کرتا رہتا تھا"۔۱۲

جب یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا۔ اور مسیح کے ماننے والے افراط کی راہ پر چل نکلے۔ اہلِ مذہب کی گمراہیاں اور ان کی ذہنی درماندگیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو آخری پیغام قرآنِ حکیم کی صورت میں ملا۔ یہ وہ کامل ترین ہدایت تھی جس میں قانون کے احکامات بھی تھے اور ان کی روح بھی۔ اس کتاب کی ابتدا ایک دعا سے ہوئی ہے جو انسانوں کو تعلیم کی گئی اور جو امت کی ہر نماز کا لازمی جزو قرار پائی۔ دعا کے آغاز کے تین فقروں میں اس ہستی کا تصور اجاگر کیا گیا جس سے مانگا جا رہا ہے، اس کے تصور کے متعلق ساری انسانی غلط فہمیوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ آگے شرک کا ابطال اس درجہ پر کیا گیا

کہ تعریف ، عبادت اور استعانت کے لائق صرف وہی ذات قرار پائی۔ پھر اسی سے براہِ راست خطاب کر کے انسان نے چھوٹی چھوٹی چیزوں کی بجائے ہدایت طلب کی۔ یہ دعا بار بار دہرائے جانے کے قابل قرار دی گئی تاکہ انسان کبھی دعا اور صراطِ مستقیم کی خواہش سے غافل نہ ہو۔

اسلام نے دعا کا جو فلسفہ عطا کیا ہے وہ انسانی ذہن پر کس کس طرح اثر انداز ہوا اس کا کامل احاطہ تو ممکن نہیں تاہم دعا کا اوّلین اثر تو شرک کے رد کی صورت میں ہوا۔ انسان نے شرک کی ابتدا ہی یوں کی کہ اس کے خیال میں ربِّ کائنات تک براہِ راست رسائی ممکن نہ تھی، یوں وسیلہ کا عقیدہ رواج پاگیا جو شرک کی انتہا تک جا پہنچا۔ اسلام نے اس کا رد کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۱۳؎

(میں قبول کرتا ہوں ہر پکارنے والے کی پکار جب وہ مجھے پکارے)۔

شرک کے ابطال کے ساتھ ساتھ دعا اللہ تعالیٰ کے انتہائی قادر ہونے کا ثبوت ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے،

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ۱۴؎

(مجھے پکارو میں قبول کروں گا)۔

پھر دعا کا عمل اللہ تعالیٰ کے نہایت قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے جو انسانی زندگی کے رویوں پر شدّت سے اثرانداز ہوتا ہے۔ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً ۱۵؎

(پکارو اپنے رب کو تذلّل سے اور چپکے چپکے)۔

قرآنِ مجید کی محولہ بالا آیات نہ صرف یہ کہ دعا کی تحریک دلاتی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ، ربوبیت ، رحمت اور قربت کا احساس انسان کو فراہم کرتی ہیں نیز دعا کی استجابت کا وعدہ انسان کو ہمہ وقت مانگنے پر اکساتا رہتا ہے، رسولِ اکرمؐ کا فرمان ہے،

"جس کے لیے دعا کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اس کے لیے استجابت کے کئی دروازے کھول دیئے جاتے ہیں" ۱۶؎

اگر ہم بنیادی دینی لٹریچر سے صرفِ نظر کرتے ہوئے دعا کے باطنی پہلوؤں اور فلسفۂ دعا کا مطالعہ کریں تو بھی ہمیں عملِ دعا کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

مقدمہ تاریخ میں ابنِ خلدون نے فصل "علم الکلام" کے ضمن میں بڑا عمدہ مضمون لکھا ہے

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات میں وجود پذیر ہونے والے حوادث کے اسباب ہوتے ہیں، اسباب بھی چونکہ حادث ہیں اس لیے ان کے لیے مزید سبب کی ضرورت ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ سلسلہ مسبّب الاسباب تک پہنچا ہے۔ یہ اسباب ایک دوسرے پر موقوف ہوتے ہیں اور ان کا سلسلہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ عقل ان کے احاطہ سے عاجز آ جاتی ہے۔ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ چونکہ یہ امور طبعی ہیں اس لیے عقل ان کا احاطہ کر سکتی ہے یا ان تک رسائی حاصل کر سکتی ہے تو بھی چونکہ فعل ارادہ پر مبنی ہوتا ہے اور ارادہ امور نفسانیہ سے ہے جن کا وجود سابق تصورات پر موقوف ہے۔ امورِ نفسانی اور ان کے مبادی کی ترتیب سے دنیا بے خبر ہے انسان کو زیادہ سے زیادہ رسائی امورِ طبعی تک ہو سکتی ہے۔ تصورات کا تعلق تو عقل سے ہے جو نفس سے بالا تر ہے اس لیے تصورات ان کا احاطہ تو ہرگز نہیں کر سکتے۔ چنانچہ شریعت میں اسباب پر نظر نہ رکھنے کا حکم ہوا کیونکہ انسانی عقل اس صحرا میں کھو جائے گی اور کبھی حق تک نہ پہنچ سکے گی نیز اسباب پر نظر رکھنے سے انسان اسباب پرستی کا بندہ بن جاتا ہے یوں اسلام نے پسند کیا کہ ساری فکر اور توجہ ذاتِ حقیقی کی طرف پھیر دی جائے جو مسبّب الاسباب ہے --- اور تمام تکالیفِ شرعیہ کا مقصد اصل ملکۂ راسخہ کا حصول ہے جسے عقیدۂ ایمانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دعا اس عقیدۂ ایمانیہ کو راسخ کرتی ہے اور انسانی فکر کو اسباب کے صحرا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دینے کے بجائے مسبّب الاسباب تک براہِ راست رسائی عطا کرتی ہے۔

قرآن اور اسلام نے دعا کو جو اہمیت دی اس کا صحیح ادراک بہت کم لوگوں کو ہو سکا۔ اسلامی فلسفہ میں اس موضوع پر زیادہ نہیں لکھا گیا۔ شاہ ولی اللہؒ جیسی عظیم علمی شخصیت نے جو اسلامی الٰہیات پر لکھنے والوں میں بہت بلند مقام رکھتی ہے، اپنی معرکہ آرا تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں جس کے ابواب میں اسلامی فلسفہ و عبادات کے قریباً ہر موضوع کو سمیٹ دیا گیا، دعا کے موضوع پر الگ باب نہیں باندھا۔

البتہ موجودہ دور میں اقبال نے دعا کی اہمیت کا بھرپور احساس کیا۔ باطن کی روح اور اپنی وحدت تک پہنچنے کے لیے دعا کی اہمیت کو اجاگر کیا، اقبال نے لکھا ہے،

"دعا خواہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی، ضمیر انسانی کی اس نہایت درجہ پوشیدہ آرزو کی ترجمان ہے کہ کائنات کے ہولناک سکوت میں وہ اپنی پکار کا کوئی جواب سنے۔ یہ انکشاف اور تجسّس کا وہ عدیم المثال عمل ہے جس میں طالبِ حقیقت کے لیے نفیٔ ذات کا لمحہ ہی اثباتِ ذات کا لمحہ بن جاتا ہے جس میں وہ اپنی قدر و قیمت سے آشنا ہو کر بجا طور پر

سمجھتا ہے کہ اس کی حیثیت کائنات میں سچ مچ ایک فعال عنصر کی ہے" ۱۷۔

ایک اور جگہ اقبال نے لکھا ہے'

"مذہب کے عزائم 'فلسفہ سے بلند ہیں۔ فلسفہ عبارت ہے حقائق کے عقلی ادراک سے لہٰذا وہ کسی ایسے تصور سے آگے نہیں بڑھتا جو ہمارے محسوسات و محرکات کی گوناگوں دنیاکو ایک نظام میں مدغم کردے۔ وہ گویا دور سے حقیقت کا مشاہدہ کراتا ہے اس کے برعکس مذہب قرب و اتصال کا خواہش مند ہے۔ یہ قرب واتصال تبھی ممکن ہے کہ فکر اپنی حدود سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے جس میں اسے کامیابی ہو گی تو اس ذہنی روش کی بدولت' جسے اسلام نے دعا سے تعبیر کیا ہے جو پیغمبرِ اسلامؐ کے لبوں پر تادمِ آخر قائم تھی"۱۸۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آگے بڑھنے سے قبل اقبال کے خطبہ "ذات الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا" سے ان جملوں کو یہاں تحریر کر دیں جو دعا کے فلسفہ اور اس کے اثرات کو سمجھنے میں بڑے اہم ہیں'

"ہمارا جی چاہتا ہے کہ اگر خدا ہے تو ہمیں اس کی موجودگی کا حقیقی تجربہ ہو۔ یہ تجربہ تبھی ہو گا جب ہمارا ذہن دعا کی روش اختیار کرے" --- ۱۹۔

"دعا ایک حیاتی عمل ہے جس کے ذریعے ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہماری بے نام سی شخصیت کسی وسیع تر زندگی میں ہے" ۲۰۔

"گو دعا فکر ہے مگر فکر کی طرح آہستہ آہستہ حقیقت تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس سے ذہن حقیقتِ مطلقہ پر تصرف کرنے کی کوشش کرتا ہے اور براہِ راست رسائی حاصل کرتا ہے۔ دعا گویا ان ذہنی سرگرمیوں کا لازمی تکملہ ہے جو فطرت کے علمی مشاہدے میں سرزد ہوتی ہیں" ۲۱۔

ان تحریروں کے مطالعہ سے ہم یہ اخذ کرتے ہیں کہ دعا ایک اعتبار سے انسان کو ربِ کائنات سے تقرب عطا کرتی ہے اور اسے کائنات کے رب کے وجود کا احساس عطا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اپنے رابطے اور رسائی کے ذریعے وہ اپنی ذات کی اہمیت کو محسوس کرتا ہے اور اسباب کی دنیا سے بلند ہو جاتا ہے' تو دوسری طرف دعا انسان میں تصرف کی قوت پیدا کرتی ہے چونکہ دعا کا اسلوب' گو دعا تذلّل بھی سکھاتی ہے' امر کا ہے جو آدمی کی شخصیت کو بلندی عطا کرتا ہے یہ بلندی اور ربِ کائنات سے یہ تقرب انسان کی نفسیاتی اور روحانی زندگی کو اس بلندی پر پہنچا دیتا ہے جسے

معراج کہتے ہیں جس کی نوید نبی اکرمؐ نے " الصلوٰۃ معراج المومنین " کے ذریعے دی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ دوسری عبادات کی طرح دعا بھی بعض اوقات محض رسم کی اختیار کر جاتی ہے لیکن دعا اپنی ساخت کے اعتبار سے وہ عبادت ہے جو بندے اور رب کے درمیان رابطے ہی کا نام ہے اور خلوصِ نیت سے اپنی گزارشات پیش کرنے کا نام ہے چند عربی عبارتیں پڑھنے کا نہیں۔ گو اجتماعی فوائد کے باعث اسلام نے فرض عبادات کو اجتماعی رنگ دیا مگر دعا کی ساخت کے پیش نظر نوافل تنہائی میں پڑھنا افضل قرار پایا ہے تاکہ بندہ مکمل خضوع سے اپنے رب سے ہمکلام ہو اور تقرب حاصل کرے جو اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ ایک امریکی نفسیات دان پروفیسر ولیم جیمز نے لکھا ہے'

"جب تک دنیا کا سلسلہ قائم ہے دعا کا عمل جاری رہے گا سوائے اس کے کہ انسان کی ذہنی ساخت میں کوئی تبدیلی واقع ہو جائے کیونکہ دعا کی تحریک ہوتی ہے تو اس انسانی تصور کے باعث کہ ایک اعلیٰ وارفع ہستی اسے دیکھ رہی ہے"۔

فلسفۂ دعا کے ضمن میں ایک بڑا مسئلہ دعا اور تقدیر کا تعلق ہے۔ مسئلہ تقدیر کو سمجھنے میں انسان نے بڑی فاش غلطیاں کی ہیں۔ دراصل مسئلہ تقدیر کے دو پہلو ہیں۔ اوّل یہ کہ ہر نوعِ جنس کو محدود کیا گیا ہے یعنی ہر مخلوق کی کچھ حدود ہیں مثلاً پیدائش ' موت ' فطری تقاضے ' ماحول' بقائے نسل ' تکالیف وغیرہ جو نہ کسی دوسری مخلوق کے اختیار میں ہیں نہ انسان کے مگر انسان کو ان حدود میں رہتے ہوئے آزادیٔ رائے و عمل حاصل ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ ربِ کائنات کے نزدیک زمانے کی کوئی قید نہیں اور اس نے اپنے علم کی بنیاد پر انسان کے سارے افعال کو پہلے سے جان لیا ہے اور یہی لوحِ محفوظ ہے جس کا انسان مجبور ہے۔ اس پہلو کو آج ایک مثال کے ذریعے سمجھنا آسان ہے۔ Time Machine کا تصور' گو ممکن نہ سہی' یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ انسان کے لیے مستقبل میں سفر کرنا ممکن ہے اور وہ مستقبل کی خبر لے کر اپنے زمانے میں واپس آ سکتا ہے۔ گویا جس کے پاس مستقبل کی یقینی خبر موجود ہے تو مستقبل کے وہ واقعات خود مختار ہوتے ہوئے بھی اس کے سامنے مجبور ہیں جس کے پاس ان افعال کی پیشگی خبر موجود ہے۔

قرآنِ مجید نے جو لفظ قدر استعمال کیا ہے اس میں مذکورہ بالا دونوں مفہوم موجود ہیں یعنی "اندازہ کرنا" اور " حدود متعین کرنا "۔ مفتی کفایت اللہؒ نے بچوں کے لیے اپنی کتاب میں تقدیر کی بڑی آسان اور بھرپور تعریف کی ہے'

"ہر بات اور اچھی اور بری چیز کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک اندازہ مقرر ہے اور ہر چیز پیدا کرنے سے پہلے خدا اسے جانتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہی کے علم اور اندازے کو تقدیر کہتے ہیں" ۲۲۔

مسئلہ تقدیر پر اس بحث کے بعد ہم دعا کے ساتھ تقدیر کا تعلق دیکھیں تو ایک پہلو سے ' جو اللہ تعالیٰ کے قبل از وقت علم کے متعلق ہے ' دعا سے ٹکراؤ باقی نہیں رہتا یعنی جہاں اللہ تعالیٰ مستقبل کے علم سے واقف ہے وہاں ان دعاؤں سے بھی واقف ہے جو مستقبل میں مانگی جائیں گی۔ رہا دوسرا پہلو تو انسان کو ان دعاؤں کے مانگنے سے منع کیا گیا ہے جو ان عمومی اور معروف حدود کے خلاف ہوں جن میں انسان محدود ہے مثلاً زہر کھاکر نہ مرنے کی دعا یا پانی میں زندہ رہنے کی دعا وغیرہ چونکہ ایسی دعائیں فطرتِ انسانی کے بھی خلاف ہیں۔ باقی رہیں وہ خصوصی حدود جن میں انسان مقید ہے تو جان لینا چاہیے کہ یہ حدود ایسی چیز نہیں جنھوں نے ربِ کائنات کے ہاتھ باندھ رکھے ہوں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کہا ہے" تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ فلاں قسم کی علتوں سے فلاں قسم کے معلول پیدا ہونگے"۔ تو جب رسائی ہی علت العلل تک ہو تو انسان ان حدود سے آگے بڑھ سکتا ہے اور اس کا ثبوت ہمیں نبی اکرمؐ کے فرمان میں ملتا ہے کہ

"لا یردا لقضاء الا الدعاء"

حوالہ جات

۱۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا: قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں

۲۔ حمعات (حمعہ ۱۷) حمعہ (حمعہ ۱۷)

۳۔ المومن (۴۰ : ۶۰)

۴۔ رگ وید ۱۱:۵۴ (بحوالہ الجہاد فی الاسلام از ابوالاعلی مودودیؒ، مولانا)

۵۔ یجروید ۱:۳۷ (ایضاً) ۶۔ ایضاً

۷۔ خروج (۱۳-۱۱ : ۱۵) ۸۔ نوحہ ۴۴ : ۳

۹۔ متی ۱۵ : ۵ ۱۰۔ لوقا ۹ : ۱

۱۱۔ کلیسوں کے نام ۱ : ۴ ۱۲۔ اعمال ۱ : ۱۰

۱۳۔ البقرہ ۲ : ۱۸۶ ۱۴۔ المؤمن ۴۰ : ۶۰

۱۵۔ الاعراف ۷ : ۵۵ ۱۶۔ غنیتہ الطالبین

۱۷۔ اقبال، علامہ: تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ

۱۸۔ ایضاً ۱۹۔ ایضاً
۲۰۔ ایضاً ۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ کفایت اللہ مفتی : تعلیم الاسلام حصہ چہارم

بقیہ: انک لعلی خلق عظیم

کنیز ان کی خدمت میں دے دی جائے تو ان کو اتنی محنت نہ کرنا پڑے۔ خود باپ سے کہنے کی تو ہمت نہ ہوئی' حضرت علیؓ کے ذریعہ سفارش کرائی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابھی اصحاب صفّہ کا انتظام نہیں ہو سکا ہے' جب تک یہ نہ ہو لے میں کسی اور کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

مسلمان' مشرک' کافر سبھی آپؐ کے مہمان ہوا کرتے تھے' آپؐ ان کی یکساں تواضع اور مدارت فرماتے تھے۔ اکثر گھر میں جو کچھ ہوتا وہ مہمانوں کی نذر ہو جاتا اور اہل وعیال فاقہ سے رہتے۔ مہمانوں کے آرام کا اتنا خیال تھا کہ رات کو اٹھ اٹھ کر ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔

بقیہ: حکمت مودودیؒ

گھومتی رہیں گی تو قدم قدم پر آپ کو الجھنیں پیش آئیں گی۔ اسلام میں جمہوریت تو ضرور ہے' مگر یہ دوسروں کی مقلّد جمہوریت نہیں ہے بلکہ اپنے اصول اور مزاج میں مستقل اور منفرد ہے۔

(ترجمان القرآن ج ۴۰' عدد ۵۰۴)

بقیہ: اغیار کا اعتراف

رہیں گے۔

کیسی مبارک تھیں وہ آنکھیں جنھوں نے اس جمالِ جہاں آرا کی زیارت کی' اور کس قدر خوش نصیب تھے وہ مرد اور عورتیں جو اس شمعِ رسالت پر قربان ہوئے' آگ کے شعلوں میں' موت کی اذیتوں میں' تلواروں کی دھاروں میں' ان کے قدم نہ ڈگمگائے' اور سخت سے سخت اذیت و مصیبت بھی ان کی فریفتگی میں فرق نہ ڈال سکی۔